گناہ، ظلمتِ قلب، وساوسِ شیطانی، قلبی و باطنی گناہ اور ان گناہوں کی معلومات حاصل
کرنے کی اہمیت سے متعلق اہم علمی سوالات و جوابات پر مشتمل ایک اہم رسالہ

گناہ کی پہچان

از:
شیخ الحدیث والتفسیر
ابو صالح مفتی محمد قاسم عطاری مد ظلہ العالی

(دعوت اسلامی)
دارالافتاء اہلسنت
DARUL IFTA AHLESUNNAT

گناہ، ظلمتِ قلب، وساوِسِ شیطانی، قلبی و باطنی گناہ اور ان گناہوں کی معلومات حاصل
کرنے کی اہمیت سے متعلق اہم علمی سوالات وجوابات پر مشتمل ایک اہم رسالہ

گناہ کی پہچان

از:
شیخ الحدیث والتفسیر
مد ظلہ العالی
ابو صالح مفتی محمد قاسم عطاری

دار الافتاء اہلسنت
DARUL IFTA AHLESUNNAT

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	گناہ کی تعریف	2
2	دل کا زنگ دور کرنے کے 4 طریقے	3
3	گناہ کی پہچان کا طریقہ	5
4	دل کا اطمینان	9
5	دل کا گنہگار ہونا	12
6	فاسِق کی تعریف	13
7	گناہ کے کام میں مخلوق کی بات ماننے کا حکم	15
8	وَسْوَسوں کا بیان	16
9	وسوسوں کی پہچان کا طریقہ	17
10	وسوسوں میں گناہ کی صورت	17
11	رشتہ داروں سے حُسن سلوک کرنا	18
12	قلبی گناہوں کا بیان	20
13	گناہوں کی معلومات حاصل کرنا	22
14	گناہ پر تعاوُن کرنا	22

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

گناہ کی تعریف

سوال: خطا پر گناہ کا اطلاق کب ہوتا ہے؟ نیز کیا شریعت میں بھول پر بھی گناہ ملتا ہے؟ مثلاً: بحالتِ روزہ غلطی و بھول سے کھا، پی لیا، یا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد نماز یاد آئی، تو اس کا کیا حکم ہو گا؟

جواب: روزہ دار کو اگر روزہ یاد نہ ہو اور کھا، پی لے، تو اس صورت میں روزہ نہیں جاتا، چہ جائیکہ گناہ ہو اور اگر روزہ یاد ہے، مگر کلی کرتے وقت غلطی سے پانی حلق میں چلا گیا، تو اس صورت میں روزہ تو ٹوٹ جائے گا، لیکن اس صورت میں گناہ نہیں، البتہ روزے کی قضاء لازم ہے۔

یہی معاملہ نماز کا ہے، اگر کسی شخص کو نماز پڑھنا یاد نہیں رہا، یا سو تارہ گیا اور نماز کا وقت نکل گیا تو جب یاد آئے تب پڑھ لے کہ اب قضا پڑھنا ذمے پر فرض ہے۔ البتہ اس صورت میں نماز قضا کرنے کا گناہ نہیں ملے گا۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یعنی جو شخص نماز کو بھول جائے یا نماز کے وقت میں سوتا رہ جائے، تو جب اسے یاد آئے اسی وقت نماز پڑھ لے کہ یہی اس کا وقت ہے۔(1)

اس حدیث مبارک میں سونے والے شخص کی صِرف نیند کی وجہ سے نماز رہ گئی اور قصداً تَرک کی صورت نہیں پائی گئی، تو بتا دیا گیا کہ اسے نماز چھوڑنے کا گناہ نہیں ملے گا، اسی طرح اگر نماز پڑھنا بھول گیا حتی کہ نماز کا وقت بھی نکل گیا، تو اب بھی گناہ نہیں، لیکن نماز کی قضاء بہر صورت لازم ہو گی۔

---

[1] ...ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب من نام عن الصلاۃ او نَسِیَھَا، ص227، حدیث 695

دل کا زنگ دور کرنے کے 4 طریقے

سوال: دل اگر گناہوں کی وجہ سے زنگ آلود ہو جائے، مُردہ و سیاہ ہو جائے، تو اس زنگ، سیاہی اور دل کے مُردہ پن کو دور کرنے کے کیا طریقے ہیں؟

جواب: دل کے زنگ کو دور کرنے کا سب سے بڑا اور بہترین ذریعہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف ہے، یہ وہ عظیم چیزیں ہیں، جن کے ذریعے دل کا زنگ دور ہوتا ہے، اب رہی یہ بات کہ ”**محبتِ رسول** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“ کا وہ کون سا پہلو ہے جس سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے؟ اور خوفِ خدا کی کس کیفیت کے ذریعے دل کا میل دور کیا جاسکتا ہے؟ تو یاد رکھیں کہ محبت کا اصل مفہوم ”**قلب کا میلان نیز دل کا پسندیدہ چیز کی طرف مائل ہونا ہے۔**“ پھر خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ اور محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی برکت سے جب نیچے بیان کیے گئے اعمال پر استقامت نصیب ہو جائے، تو دلوں کا زنگ اتر جاتا ہے۔ وہ اعمال یہ ہیں:

(1) تلاوتِ قرآنِ مجید:

قرآن پاک کی تلاوت تَدَبُّر یعنی غور و فکر کے ساتھ ہو، نیز سمجھ کر اور ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ یہاں آداب سے مراد شرعی اَحکام کے ساتھ اس کے مستحبات کا خیال رکھنا ہے، جیسے تلاوت کرتے ہوئے پوری توجہ قرآن پاک کی طرف ہو، قاری کلامِ الٰہی کا تصور کرتے ہوئے اور یوں پڑھے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ہم کلام ہو رہا ہے اور وہ محسوس کرے کہ قرآنِ پاک کی نورانیت اس کے دل میں داخل ہو رہی ہے اور قرآن مجید اس کے دل کا زنگ دھو رہا ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کو ان حَسِین تصورات کے ساتھ سمجھتے ہوئے پڑھے گا، تو ان شاء اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل کا زنگ بہت تیزی کے ساتھ دور ہو گا۔

(2) ذکرِ الٰہی:

اسی طرح اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذِکر، فکر و توجہ کے ساتھ ہو اور بے توَجُّہی و غفلت نہ پائی جائے،

بلکہ بطورِ خاص بارگاہِ الٰہی کی حاضری کو دل و دماغ میں جماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذِکر کیا جائے، ذکرِ الٰہی کے کلمات جیسے ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“، ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر“، ”وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ“، ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم“، ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم“ یہ اور اس طرح کے جتنے بھی اذکار ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے، یونہی ذِکر کرتے ہوئے اللہ تعالی کی نعمتیں یاد کی جائیں، تو ایسے ذِکر کی برکت سے دل کی نورانیت میں بہت تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔

(3) موت کی یاد:

موت، قبر اور آخرت یہ تین چیزیں وہ ہیں، جو دل کی سیاہی دور کرنے میں بہت مُعاوِن ہیں۔ آدمی موت کو یاد کرتا ہے، تو اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے۔ وہ قبروں کو دیکھتا اور دوسروں کی موت پر توجہ کرتا ہے، تو اسے اپنی قبر یاد آتی ہے۔ وہ قبر میں جانے اور اپنے بدن کی بوسِیدگی یاد کرتا ہے، تو اس کا دل نرم پڑتا ہے۔ وہ آخرت کے معاملات، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی اور حاضری کا تصور کرتا ہے، نامہ اعمال دیئے جانے، قیامت کی گرمی، حشر کی پیاس اور پل صراط سے گزرنے کو یاد کرتا ہے، تو اس کے دل سے دنیا کی محبت، گناہوں کی لذت اور خواہشات کی کثرت نکل جاتی ہے اور اسے ظلمتِ قلب سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی کو شرحِ صدر بھی کہا جاتا ہے، حدیث پاک میں ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یعنی نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے، تو سینہ کُھل جاتا ہے، تو عرض کی گئی: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم! کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے نور پہچانا جائے؟ ارشاد فرمایا: ہاں دھوکے کی جگہ (دنیا) سے دور رہنا، دائمی گھر (آخرت) کی طرف رجوع کرنا اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔(2)

---

[2] ...شعب الایمان، باب فی الزھد و قصر الامل، 7/352، حدیث 10552

(4) صحبتِ صالحین:

اچھی صحبت دل کا زنگ دور کرنے کے لیے عملی طور پر سب سے زیادہ موثر ہے۔ بعض اوقات ایک اچھی نشست آدمی کی زندگی بھر کے زنگ کو دور کر دیتی ہے، جیسے ہمارے سامنے بیسیوں نہیں، بلکہ سینکڑوں ایسے واقعات ہیں کہ کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھنے یا اس کے ساتھ ایک سفر کرنے سے دل کی دنیا بدل گئی اور اِتّباعِ سنت و شریعت کی توفیق نصیب ہو گئی۔ زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی در حقیقت دل کا زنگ صاف ہونے کے سبب ہے کہ جب دل کی سیاہی زائل ہوتی ہے، تو دل میں ایسی نرمی، چمک، روشنی اور نور پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی فوراً مُتَوَجِّہ اِلَی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نیکیوں کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ صحبتِ صالحین کی برکت سے آدمی کو خوفِ خدا، محبت الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نصیب ہو جاتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کی توفیق ملتی اور ذِکر و دُرود میں مشغولیت کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ موت اور قبر و آخرت کی یاد بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ الغرض اگر زیادہ توجہ اچھی صحبت کے حصول پر کر لی جائے، تو اوپر درج تمام چیزوں کا حصول بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اچھی صحبتیں ویسے تو کم یاب ہیں، مگر ناپید نہیں، سچی طلب کے ساتھ کوشش کرنے والوں کو آج بھی اچھی صحبت نصیب ہو جاتی ہے۔ فردِ واحد کا قُرب نہ بھی ملے تب بھی ایک اجتماعی نیک ماحول ضرور دستیاب ہے، جیسے دعوت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماعات اور مدنی قافلے۔ اگر کوئی شخص انہیں اختیار کرلیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ سے بہت حسنِ ظن ہے کہ اسے نیک صحبت کی برکتیں عطا فرمادے۔

گناہ کی پہچان کا طریقہ

سوال: گناہ کی پہچان کا کیا طریقہ ہے، جسے اپنا کر گناہوں سے بچا جا سکتا ہے؟

جواب: گناہ کی پہچان کا سب سے پہلا طریقہ حصولِ علم ہی ہے، کیونکہ علم ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے جس کے ذریعے گناہ کی پہچان ہو گی۔ اس علم کی کئی جہتیں ہیں، جیسے اگر گناہِ کبیرہ کی تعریف

پوری طرح ذہن میں ہو، تو آدمی بہت سے امور میں گناہ کا حکم فوری طور پر جان لے گا۔ اسی طرح گناہِ صغیرہ کی تعریف معلوم ہو، تو اس سے بہت سارے گناہوں کا پتا چل جائے گا، جیسے فرض کا ترک گناہِ کبیرہ ہے، واجب کا ترک گناہِ صغیرہ ہے، لیکن گناہِ صغیرہ بار بار کیا جائے، تو گناہِ کبیرہ بن جائے گا۔ سنتِ مؤکدہ کے ترک پر اصرار کرنا، جیسے ظہر کی پہلی چار سنت بار بار نہ پڑھنا، گناہ کی حد میں داخل کر دیتا ہے۔ پھر اسی طرح قرآن و حدیث میں وہ چیزیں جن سے صراحتاً منع کیا گیا ہے وہ گناہ ہیں، مثلاً: اپنی جانوں کو قتل کرنا اور بدکاری کرنا، اپنی اولاد کو قتل کرنا وغیرہ، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ (3)	ترجمہ: اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔
﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى﴾ (4)	ترجمہ: زنا کے پاس نہ جاؤ۔
﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ﴾ (5)	ترجمہ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

اس طرح کی وہ ساری آیات جن میں خصوصی طور پر کوئی حکم یا ممانعت بیان کی گئی ہو، ان کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام ناجائز و حرام ہیں مثلاً کوئی شخص جب قرآن پاک کی یہ آیت پڑھے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۙ-فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (6)	ترجمہ: بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

---

[3] ... پارہ 5، النساء: 29

[4] ... پارہ 15، بنی اسرائیل: 32

[5] ... پارہ 8، الانعام: 151

[6] ... پارہ 18، النور: 19

یہ آیت پڑھتے یا سنتے ہی اسے پتا چل جائے گا کہ بے حیائی پھیلانا حرام ہے، یونہی اگلی آیت پڑھتے ہی واضح ہو جائے گا کہ بے حیائی بذات خود بھی حرام ہے، فرمایا:

﴿وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ﴾ (7) ترجمہ: اور (اللہ) بے حیائی اور ہر بُری بات اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔

اسی طرح درج ذیل آیت پڑھتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ کسی یتیم کا مال اپنے تصرف میں لانا کیسا ہے؟ چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾ (8) ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ گناہوں کی پہچان کے لیے علم ہونا ضروری ہے، لہٰذا علم میں اضافے کے لیے کلام پاک اور احادیثِ طیبہ کو فہم و تدبر کے ساتھ پڑھنا، سمجھنا، نیز دینی کتابیں پڑھنا نہایت اہم اور مفید ہے۔

قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور گناہوں کے علاوہ علمائے کرام نے علوم دینیہ کے فہم و تدبر کے ذریعے بھی بہت سے گناہوں کو بیان کیا ہوتا ہے، جو صراحتاً قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں، لیکن ان ہی کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ناجائز ہیں، جیسے ریاکاری کی باریکیاں۔ اب ریاکاری کے بارے میں قرآن پاک کی آیت تو اتنی ہے کہ ریاکاری کے ذریعے اپنے اعمال برباد نہ کرو:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ ترجمہ: اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا

---

[7] ...پارہ 14، النحل: 90

[8] ...پارہ 4، النساء: 10

وَ الْاَذٰىۙ-كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ(9) کر اپنے صدقے برباد نہ کردو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھلاوے کے لئے خرچ کرتا ہے۔

یا دیگر آیات ہیں جن میں ریاکاری کی وجہ سے عمل برباد ہونے کا بیان ہے، لیکن ریاکاری کی تفصیلات اور مختلف صورتیں علمائے کرام ہی نے مستنبط کی ہیں۔ اکابرین کی اسی استنباط پر مشتمل ایک کتاب ”الزواجر“ بنام ”جہنم میں لے جانے والے اعمال“ (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ دعوتِ اسلامی) بھی ہے، یہ کتاب اس حوالے سے بہت زیادہ جامع ہے۔

لیکن ایک بات یہاں قابلِ توجہ ہے کہ معلومات ہونا اور بات ہوتی ہے اور معلومات کے مطابق عمل کرنا دوسری بات ہے، کس کو نہیں پتا کہ نماز فرض ہے، یقیناً نماز کی فرضیت کا سبھی کو علم ہوتا ہے مگر ایک بڑی تعداد علم کے باوجود نماز نہیں پڑھتی۔ معلوم ہوا کہ صرف معلومات ہی کافی نہیں ہوتیں اس کے ساتھ دل میں جذبہ، ترغیب اور عمل کی نیت ہونا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر صرف کتابیں ہی پڑھتے رہنا مفید نہیں۔ ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ جنہوں نے پوری صحاح ستہ (حدیث کی مستند چھ کتب) پڑھی ہوتی ہیں، لیکن اس کے باوجود نماز کا کوئی جذبہ نہیں پایا جاتا، یا دیگر نیک اعمال کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی یا دیگر اعمال میں کمی، کوتاہی موجود ہوتی ہے، لہٰذا علم کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے اور عمل کے لیے دل میں ترغیب و ترہیب کی موجودگی نہایت مفید ہے اور ان دونوں کے حصول کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: تو یہ ہے کہ صرف اَحکام ہی نہ پڑھے جائیں، بلکہ اس عمل کے فضائل اور وعیدیں بھی پڑھیں یعنی نیک عمل کی فضیلت اور عملِ بد یعنی گناہ کی وعیدیں پڑھیں، اس کی برکت سے دل پر چوٹ لگتی ہے اور وہ عمل کی طرف مائل ہوتا ہے۔

---

[9] ... پارہ 3، البقرہ: 264

دوسرا طریقہ: اچھی صحبت ہے۔ اچھی صحبت، دل میں عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہے، ورنہ محض معلومات اکثر و بیشتر عمل کے لیے کفایت نہیں کرتیں۔

دل کا اطمینان

سوال: کسی کام پر دل کے اطمینان و غیر اطمینان کا گناہ سے کوئی تعلق ہے؟ یعنی بعض لوگ کوئی غلط کام کرتے ہیں اور سمجھانے پر جواب دیتے ہیں کہ میں نے صحیح کیا، کیونکہ میرا دل مطمئن ہے، میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ کیا دل یا ضمیر کا اطمینان اس بات کی دلیل ہے کہ کیا گیا عمل گناہ نہیں، غلط نہیں، برا نہیں؟

جواب: اس بات کی کچھ حقیقت ہے بھی اور نہیں بھی۔ تفصیل یہ ہے کہ دل اور ضمیر کی ایسی کیفیت کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِیْ نَفْسِكَ“ یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔(10) یعنی جو دل میں کھٹکے، ضمیر جس پر ملامت کرے، برا سمجھے وہ گناہ ہے یا بری بات ہے۔ لیکن اس حدیث کے ساتھ دوسری حدیث بھی یاد رکھیں کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے: ”اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ“(11) ترجمہ: جب تم میں شرم وحیا نہ رہے، تو پھر جو چاہے کر۔ مراد یہ ہے کہ جب آدمی کی شرم وحیا ہی ختم ہو جاتی ہے، تو پھر اسے کوئی پروا نہیں ہوتی اور اس کا دل جو چاہے، وہ کرتا ہے۔ اگر کسی کی یہ کیفیت ہے کہ اس کی شرم وحیا اور اس کا لحاظ ختم ہو چکا ہے اور وہ جرأت، بے باکی اور نڈر پن کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ میرا ضمیر مطمئن ہے، تو ایسے آدمی کا ضمیر کسی طرح معتبر نہیں، بلکہ ایسے کا ضمیر ہی بے ضمیر ہے، ایسا ضمیر تو مردہ ہے۔ ایسے آدمی کا یہ کہنا کہ میرا ضمیر مطمئن ہے، اس کا کوئی

---

[10] … مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب البر والاثم، ص: 1061، حدیث: 6517

[11] … بخاری، کتاب الادب، باب اذا لم تستحی فاصنع، 8/29، حدیث: 6120

اعتبار نہیں ہو گا۔ یہ بات تو بہت سی جگہوں پر ڈاکو اور قاتل بھی بول دیں گے اور ان کا دل بھی مطمئن ہو گا، تو کیا معاذ اللہ اس سے قتل و ڈکیتی حلال ہو جائے گی؟ ہر گز نہیں۔

بلکہ ایک اور حدیث مبارک بھی اس حوالے سے بڑی خوبصورت رہنمائی کرتی ہے۔ سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: ”دَعْ مَا يُرِيبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيبُكَ“ یعنی جس شے میں شک ہے، اس کو چھوڑ دے اور اس کو اختیار کر لے جس میں شک نہیں ہے۔(12) یعنی تَرَدُّد و شُبہ اور شک والے کام کو نہ کیا جائے، جیسے اگر کسی کام کے بارے میں شک ہو کہ پتا نہیں جائز ہے یا ناجائز ہے، تو اسے چھوڑ کر وہ صورت اختیار کی جائے، جو بلا شبہ درست ہو۔

اس بات کو گہرائی سے سمجھنے کے لیے درج ذیل تفصیل ذہن نشین کر لیں۔

معاملہ یہ ہے کہ کچھ احکام وہ ہیں جن کا شریعت نے واضح طور پر حکم بتا دیا، جیسے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ“ یعنی حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی بالکل واضح ہے، لیکن ان کے درمیان میں کچھ شبہ والے اُمور ہیں۔(13) اب شُبہ والی چیزوں کے بارے میں کیا کیا جائے؟ تو فرمایا کہ: ”فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَءَ لِدِينِهٖ وَ عِرْضِهٖ“(14) یعنی جو شُبہ کے کاموں سے بچ گیا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ تو شریعت کا اصول یہ ہوا کہ جو واضح طور پر حلال ہے، جس کا قرآن و حدیث میں حلال ہونا واضح طور پر بیان کر دیا گیا، اس کے بارے میں کسی کا ضمیر کہے کہ نہیں، یہ کام صحیح نہیں لگ رہا، تو یہاں ضمیر کے کہنے پر عمل نہیں ہو گا، کیونکہ جب اس کو دین نے واضح طور پر حلال کر دیا، تو اب وہاں ضمیر کا کوئی عمل دخل

---

[12] ترمذی، کتاب صفۃ القیامہ، باب-60، 4/232، حدیث:2526

[13] ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبہات، ص:1318

[14] ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبہات، ص:1318

نہیں رہا۔ ہاں کسی خارجی حکمت کی وجہ سے مباح وغیرہ کو ترک کرنا ایک جدا معاملہ ہے۔

اسی طرح جن کاموں کو شریعت نے واضح طور پر حرام کہہ دیا، ناجائز کہہ دیا، گناہ کہہ دیا، وہ ناجائز و گناہ ہیں اور انہیں چھوڑنا ضروری ہے، ایسی جگہ اگر ضمیر کہے کہ یہ کام کر لیں، کوئی مسئلہ نہیں، تو وہاں بھی ضمیر کی نہیں مانی جائے گی اور ضمیر صاحب کو کہیں سائڈ میں رکھ دیا جائے گا۔

تیسرے نمبر پر وہ کام ہیں جن میں شرعی اعتبار سے شبہ وتردد ہو، دلیل کی رُو سے جائز و ناجائز ہونا معلوم نہ ہو، علماء کا اختلاف ہو، وہاں شریعت نے رہنمائی یہ فرمائی کہ شُبہ کے کاموں سے بچو۔ جو بچ جائے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لے گا، یعنی نہ تو لوگ اس کے متعلق کہیں گے کہ دیکھو یہ کیا کر رہا ہے اور نہ خود تذبذب کا شکار رہے گا، نیز اس طرح اس کا دین بھی محفوظ رہے گا، کیونکہ یہ شے تقوی میں داخل ہے۔

اس کے بعد بعض اوقات ایسی چیزیں آ جاتی ہیں، جن کے بارے میں واقعی تردد ہو سکتا ہے کہ یہ میں کروں یا نہ کروں؟ اس کا کرنا درست ہو گا یا درست نہیں ہو گا؟ دونوں طرف ذہن جاتا ہے، اب ایسی صورت میں کس شخص کو اجازت ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ لے، اپنے ضمیر سے پوچھ لے اور کس کو اجازت نہیں ہے؟ اس کے کچھ اہم معیارات ہیں۔ جیسے ایسا شخص جس کی حیا ہی ختم ہو چکی ہے اور وہ برے اعمال پر جری ہو، شریعت پر عمل کا کوئی شوق نہ ہو، تو ایسا شخص شرعی اُمور میں ہرگز اپنے ضمیر سے نہ پوچھے، جبکہ جو شخص شریعت پر عمل کرنے والا ہو، اعمال صالحہ سے محبت رکھتا ہو، گناہوں سے بچنے کا پورا ذہن ہو اور وہ بچتا بھی ہو، نیکیوں سے محبت ہو اور وہ نیکیاں کرتا بھی ہو، بلکہ نیکیوں سے محبت بھی ایسی ہو کہ نیک عمل سے اس کے دل کو سُرور ملتا ہے، قلبی نورانیت محسوس ہوتی ہے، دل کو ٹھنڈک اور قرار ملتا ہو، اسے حلاوتِ ایمانی یعنی ایمان کی مٹھاس نصیب ہو، تو ایسا شخص اگر کسی معاملے میں متردد ہو اور اس کا ضمیر اسے یہ کہے کہ یہ کام کر لو، اس میں حرج نہیں ہے، تو وہ شخص دل کی بات مان سکتا ہے کہ اس کا ضمیر اعلیٰ و مقبول درجے پر ہے۔ لیکن ایسے کو تلاش کرنا کارِ دشوار اور خود کو اس

مرتبہ پر سمجھنا خوش فہمی کے دریا میں غوطے لگانے کے مترادف ہے۔

دل کا گنہگار ہونا

سوال: قرآن مجید میں ایک جملہ بیان ہوا ہے کہ ”اس کا دل گنہگار ہے“ اور عوامی طور پر بھی یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ دل کا گنہگار ہونا کیا ہے؟

جواب: دل کے گناہ بہت ہیں، جیسے کفر و شرک کہ یہ بنیادی طور پر دل ہی کے گناہ ہیں، کیونکہ کفر کا معنٰی ہے: ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا انکار کرنا اور انکار و تصدیق دونوں دل کے افعال ہیں۔ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور کفر انکارِ قلبی کو کہتے ہیں، پھر ان ہی پر دلالت کرنے والے متعدد افعال ہیں، جنہیں کفر قرار دیا گیا ہے، لیکن جو اصل تعریف ہے، وہ یہی ہے کہ دل میں تصدیق کے بجائے انکار پایا جائے۔

اسی طرح شرک یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اصل میں قلب کا فعل ہے کہ آدمی دل میں کسی کو اللہ کا شریک سمجھتا ہے، پھر آگے اس کے مظاہر آجاتے ہیں۔ یونہی منافقت بھی دل کے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ بندہ ظاہری طور پر ساری حرکتیں مسلمانوں والی کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، لیکن دل میں تصدیق موجود نہیں ہوتی۔ لہٰذا کفر و شرک اور منافقت کا، دل کے گناہ ہونا بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر بہت سے گناہ ہیں جن کا تعلق دل سے ہے، مثلاً: تکبر یعنی دوسرے کو حقیر سمجھنا اور دوسرے کو کچھ نہ سمجھنا، دل کا فعل ہے۔ حسد یعنی یہ تمنا کرنا کہ دوسرے مسلمان سے نعمت زائل ہو جائے۔ یہ تمنا دل ہی میں ہوتی ہے، اب اس کا بعض اوقات اظہار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات صرف دل میں یہ خواہش جما کر رکھتا ہے۔

اسی طرح ریاکاری بھی قلبی عمل ہے اور یقیناً دل ہی سے ہوتی ہے کہ لوگ مجھے اچھا (نیک) سمجھیں، عبادت گزار سمجھیں۔ اسی طرح تکبر، حسد، (اس کا ذِکر ابھی ہو چکا)، بغض و کینہ بھی گناہ

ہیں اور یہ گناہ بھی افعالِ قلب سے ہیں۔ ان گناہوں کا مرتکب **”دل کا گنہگار“** کہلائے گا۔ اسی لیے شرعی اصطلاح میں بھی انہیں ”امراضِ قلب“ کہا جاتا ہے یعنی دل کی بیماریاں / باطنی امراض۔ حدیث مبارک میں فرمایا گیا ہے کہ ”بدن کے اندر ایک ٹکڑا ہے اگر وہ سدھر جائے، تو سارا بدن سدھر جاتا ہے، اگر وہ بگڑ جائے، تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سن لو وہ دل ہے۔“(15)

کیونکہ اگر دل سے حسد، کینہ، بغض، تکبر نکل جائے اور اس میں اخلاص، صبر، شکر، توکل، یقین، مراقبہ، محاسبہ اور اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے، تو دل سُدھر جاتا ہے۔ یوں اگر دل سدھر جائے، تو تمام اعضاء سدھر جاتے ہیں اور اگر دل بگڑ جائے، کہ اس سے اخلاص نکل کر ریاکاری داخل ہو جائے، اس سے عاجزی نکل کر تکبر داخل ہو جائے، اس سے خیر خواہی نکل جائے اور حسد داخل ہو جائے، اس سے دوستی نکل کر بغض و کینہ داخل ہو جائے، تو یہ دل بگڑنے کی علامات ہیں اور جب دل بگڑ گیا، تو پورا بدن بگڑ جاتا ہے، پھر بندہ کام بھی وہی کرتا ہے جو ریاکاری، تکبر، حسد، بغض و کینہ کا تقاضا ہو۔

فاسق کی تعریف

سوال: فاسِق کسے کہتے ہیں؟

جواب: فاسق کا لفظ فِسق سے بنا ہے فا، سین، قاف، فِسق کا لغوی معنٰی ہوتا ہے: نکل جانا / باہر نکل جانا یا خُروج اور شرعی اعتبار سے فِسق کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے باہر نکل جانا۔

اب یہاں دو باتیں پیشِ نظر رہیں کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں: کبیرہ اور صغیرہ یعنی بڑا گناہ اور چھوٹا گناہ۔ جو آدمی کبیرہ گناہ ایک مرتبہ بھی کرے، وہ فاسق ہے، جبکہ صغیرہ گناہ بار بار کرے، تو فاسق ہوتا ہے۔

---

[15] ... بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرألدینه، 1 / 28، حدیث: 52

لہٰذا فاسق کا اطلاق اس پر ہو گا جو کبیرہ گناہ کرے یا صغیرہ گناہ بار بار کرے، اب اس میں مزید دو صورتیں ہیں۔ فاسق وہ گناہ چُھپ کر کرتا ہے یا علانیہ۔ اگر وہ چھپ کر کرے، تو اسے "فاسقِ غیر مُعْلِن" کہا جاتا ہے اور اگر علانیہ گناہ کرے تو اسے "فاسق مُعْلِن یا فاجِر" کہا جاتا ہے۔ فاسق معلن یا فاجر کا لفظ اسی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پھر ایک اور اعتبار سے فسق کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: وہ فسق جس کا تعلق عقیدے سے ہے اور دوسری قسم: وہ فسق جس کا تعلق عمل کے ساتھ ہو۔ قرآن پاک میں فسق عملی کا بھی بیان ہے جیسے خنزیر کا گوشت کھانا اسے فسق فرمایا گیا ہے، جبکہ فسقِ عقیدہ قرآن پاک میں بہت زیادہ بیان ہے بلکہ زیادہ تر قرآن پاک میں فاسق و فسق کا لفظ فاسق عقیدہ یا بدعقیدہ کے حوالے سے ہی بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا جس کا عقیدہ فاسد ہے، جیسے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کے زمانے میں ہی "قَدَرِیَّہ فِرقہ" پیدا ہو گیا تھا، جو تقدیر کا منکر تھا اور ایک "جَبرِیَّہ فرقہ" نکلا جو یہ کہتا تھا کہ انسان مجبورِ مَحْض ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا، اس سے کروالیا جاتا ہے۔ اسی طرح "خارجی فرقہ" جن کی بڑی پہچان حضرت عبد اللہ ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے بیان فرمائی تھی کہ وہ مشرکوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں مسلمانوں پر مُنْطَبِق کرتے ہیں۔(16) اب یہ پہچان آج تک چلتی آ رہی ہے، آج بھی بہت سے بد عقیدہ خارجی ایسے ہیں جو بُتّوں کے بارے میں اُترنے والی آیتیں، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام و اولیائے کرام رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم پر منطبق کر دیتے ہیں کہ بتوں کی طرح مَعاذَ اللہ انبیاء و اولیاء بھی بے بس ہیں۔

اسی طرح ایک فرقہ "مُعْتَزِلَہ" گزرا ہے جو صفاتِ باری تعالیٰ میں عجیب و غریب تاویلات کرتا تھا اور عذابِ قبر کا منکر تھا، یونہی قرآن پاک کے بارے میں ان کے عقائد عام مسلمانوں سے ہَٹ کر

---

[16] ...بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین و المعاندین و قتالھم، باب قتل الخوارج والملحدین، 9/16

تھے، ان کے نزدیک کلام اللہ، خدا کی صفت نہیں، بلکہ مخلوق ہے۔

یہ سب فاسق العقیدہ فرقے ہیں، جن کا عقیدہ بگڑ گیا، جو عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل گئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فسق کا لغوی معنی وہی کہ نکل جانا اور اصطلاحی معنی اللہ تعالی کی فرمانبرداری سے باہر نکل جانا، پھر اگر کبیرہ گناہ کیا، تو فاسق اور صغیرہ گناہ پر اصرار کیا تو فاسق، پھر چُھپ کر کیا، تو فاسق غیر معلن، علانیہ کیا تو فاسقِ معلن یا اسے فاجر کہا جائے گا۔ آگے وہی تقسیم ہے کہ عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہے یا عمل کے اعتبار سے۔

گناہ کے کام میں مخلوق کی بات ماننے کا حکم

سوال: بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر، والدین یا حکمران یا اساتذہ یا افسران کسی ایسی بات کا حکم دیتے ہیں، جو شریعت کی رُو سے گناہ ہے، ایسی صورت میں کیا حکم ہے کہ ان کی بات ماننا درست ہوگا خصوصاً اگر والدین یا شوہر حکم دیں؟

جواب: مخلوق کی اطاعت جائز کاموں میں کی جاسکتی ہے، جبکہ گناہ و معصیت میں ان کی کوئی اطاعت نہیں، حدیثِ مبارک میں واضح انداز میں فرما دیا گیا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ” اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ “یعنی اطاعت صرف نیکی میں ہے۔ (17)

ایک دوسری حدیث مبارک میں ارشاد ہوا: ” لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ “یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ (18)

اسی طرح قرآن پاک کی آیتِ مبارکہ بھی ہے کہ

---

[17] مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة، ص:789، حدیث:1840(4765)

[18] المصنف، کتاب السیر، باب فی امام السریة یامرهم بالمعصیة، 18/ 247، حدیث:34406

﴿وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۖ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ (19)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ پر کوشش کریں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے اور میری طرف رجوع کرنے والے آدمی کے راستے پر چل، پھر میری ہی طرف تمہیں پھر کر آنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔

اس آیت میں والدین ہی کا بطورِ خاص تذکرہ ہے اور فرمایا گیا کہ اگر وہ تجھے شرک کرنے کا کہیں، تو پھر ان کی بات نہ مان، لیکن دنیا کے معاملات میں ان سے اچھا سلوک کر۔ لہٰذا والدین کسی گناہ کا حکم دیں تو عمل نہ کیا جائے مثلاً اگر والدین داڑھی رکھنے سے منع کریں تو ان کا منع کرنا بھی گناہ ہے اور ان کی یہ بات ماننا بھی گناہ ہے کیونکہ داڑھی رکھنے کا حکم نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دیا ہے کہ مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ (20) لہٰذا اللہ و رسول عَزَّوَجَلَّ و صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مقابل جس کی بھی بات ہو گی وہ نہیں مانی جائے گی۔

وَسْوَسوں کا بیان

سوال: وسوسے کیوں آتے ہیں، نیز اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: وَسْوَسے آنے کا سبب نفس و شیطان ہیں کہ شیطان انسان کے دل میں باہر سے وسوسے ڈالتا ہے، یونہی بعض انسان بھی اپنی باتوں سے وسوسے ڈال دیتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِۙ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ **ترجمہ:** وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

---

(19)... پارہ 21، لقمان: 15

(20)... بخاری، کتاب اللباس، باب اعفاء اللحی، 7/160، حدیث: 5893

النَّاسِ ۞(21) جنوں اور انسانوں میں سے۔

یعنی وسوسے ڈالنے والا جن بھی ہو سکتا ہے اور انسان بھی اور وسوسہ ڈالنا شیطان کے بڑے کاموں میں سے ہے کیونکہ شیطان بنیادی طور پر یہی کرتا ہے کہ لوگوں کو گناہ اور کفر کے وسوسے ڈالتا ہے۔ دوسری طرف نفس ہے کہ شیطان کی طرح نفس بھی انسان کو وسوسہ میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کے وسوسوں کو "وساوسِ نفسانی" کہتے ہیں جیسے ماہِ رمضان میں شیطان کے قید ہونے کے باوجود لوگوں کو وسوسے آتے ہیں۔ یہ نفس کی طرف سے ہوتے ہیں کیونکہ نفس، شیطان کے ساتھ گہرے رابطے کی وجہ سے بہت طاقتور ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے وسوسے بھی اتنے ہی مؤثر ہوتے ہیں، جتنے شیطان کے وسوسے۔ معلوم ہوا کہ وسوسے کی بنیاد شیطان اور نفس ہیں۔

وسوسوں کی پہچان کا طریقہ

سوال: وسوسوں کی پہچان کیسے ہو؟

جواب: وسوسوں کی پہچان کے لیے امام غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ کی کتاب **"منہاج العابدین"** کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کتاب میں امام غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ نے اس پر بہت خوبصورت کلام کیا ہے کہ بندے کے دل میں جو خیالات آئیں، وہ ان کو کیسے پہچانے کہ یہ رحمانی ہے یا شیطانی ہے؟ نیز امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کے رسالے **"وسوسے اور ان کا علاج"** میں بھی بہت خوبصورت معلومات موجود ہیں۔

وسوسوں میں گناہ کی صورت

سوال: دل میں جو وسوسے آتے ہیں، یہ گناہ ہیں یا نہیں؟

جواب: عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے دل میں گناہ کا صرف خیال آتا ہے، مگر وہ اپنے

---

[21] ... پارہ30، الناس، 5، 6

آپ سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے، اس طرح کے وسوسے پر گناہ نہیں۔ ویسے دِلی خیالات کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں سے دو یہ ہیں: ایک عزم ہے اور عزم کا مطلب ہے پکا ارادہ، جسے ہم "عزمِ مُصَمَّم" کہتے ہیں۔ عزمِ مصمم پر پکڑ ہوگی اور اس پر گناہ ہوتا ہے۔ اسی عزم کے ذریعے انسان گناہ کے اسباب مہیا کرتا ہے اور اپنی طرف سے کوشش کرتا ہے، اگرچہ وہ کسی وجہ سے گناہ نہ بھی کرسکے مثلاً: ایک آدمی گھر سے چوری کے ارادے سے نکلا، پھر کسی وجہ سے وہ چوری نہیں کرسکا، جیسے وہاں لوگ جاگ رہے تھے یا پولیس موجود تھی وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں آدمی گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے گناہ کا عزمِ مصمم کرلیا تھا۔ معلوم ہوا کہ عزمِ مصمم جہاں پر پایا جائے وہاں گناہ ملے گا۔

دوسرا یہ ہے کہ آدمی اپنے تصور میں بے حیائی کا کام کرے، اس صورت میں بھی بندہ گنہگار ہوتا ہے۔

رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا

سوال: اگر کوئی رشتہ دار وغیرہ ہمارے ساتھ بُرا کرے، تو ہمیں کیا رَدِّ عمل دِکھانا چاہیے؟

جواب: اسی سے ملتا جلتا سوال نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں بھی پیش کیا گیا تھا کہ میرے رشتہ دار مجھ سے اچھا سلوک نہیں کرتے، لیکن میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں، تو کیا میں اپنا یہ اچھا عمل جاری رکھوں؟ یعنی میں ان سے صلہ رحمی نیک سلوک جاری رکھوں یا میں بھی پھر بدلے کے طور پر اسی طرح کروں؟ تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنا اچھا سلوک جاری رکھو، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: یعنی ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے قریبی رشتہ دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں، لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں ان سے بُرْدْباری سے پیش آتا ہوں، جبکہ وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اگر ایسا ہی ہے، جیسے تم کہہ رہے ہو، تو تم ان کے منہ میں گرم راکھ

ڈال رہے ہو اور تمہارے ساتھ اللہ کی طرف سے ان کے خلاف ایک مددگار رہے گا، جب تک تو اس حال پر رہے۔(22) لہٰذا رشتہ دار کی باتوں کو برداشت کیا جائے اور اپنا اچھا سلوک جاری رکھا جائے، بلکہ ایک حدیث مبارک میں صریح حکم ہے: ”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ“ یعنی کہ تم اس سے اپنی رشتہ داری جوڑے رکھو جو تم سے توڑتا ہے۔ (23) لہٰذا جو رشتہ دار رشتہ داری توڑتا ہے اسے جوڑنے ہی کی کوشش کی جائے۔

بہار شریعت کی ایک عبارت کا خلاصہ ہے کہ: رشتہ دار اچھا سلوک کریں اور ہم بھی ان سے اچھا سلوک کریں، یہ تو ادلہ بدلہ ہے، جو کسی کے ساتھ بھی آدمی کر دیتا ہے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ وہ تجھ سے توڑے اور تو اس سے جوڑے، تیرے ساتھ زیادتی کرے اور تو اس کے ساتھ بھلائی کرے۔ صلہ رحمی کے بنیادی مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ رشتے دار اگر زیادتی کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، رشتہ داری توڑتے ہیں، تو ان سے اچھے سلوک کی کوشش کی جائے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ دنیاوی حکمتِ عملی آدمی کو اپنانی چاہیے کہ بلاوجہ خود کو ذلت کی جگہ پر بھی پیش کرنے کے بجائے اس سے بچنے کی صورتیں اپنائی جائیں اور اپنی طرف سے کوشش کرے اور یہ ذہن بنائے کہ میں اس کے لیے دعائے خیر ہی کروں گا، میرے دل میں اس کے لیے بھلائی کا جذبہ ہی رہے گا، میں اسے جہاں خیر پہنچا سکوں گا، تو پہنچاؤں گا، میں اس کے ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں دوں گا، اس کی گالیوں کے بدلے گالی نہیں دوں گا۔ ہاں ان کے شر سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو کچھ فاصلہ پر رکھیں اور وَقتاً فَوقتاً حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے رہیں۔

---

[22] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا، ص:1062، حدیث:2558(6525)

[23] مسند احمد، مسند الشامیین، حدیث عقبہ بن عامر الجھنی، 6/148، حدیث:17457

قلبی گناہوں کا بیان

سوال: قلبی (باطنی) گناہوں کی شریعت میں کیا اہمیت ہے، نیز قلبی گناہوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ایک مسلمان کے لیے کتنا اہم ہے؟

جواب: تمام گناہوں کے حوالے سے بنیادی حکم ایک ہی ہے، خواہ وہ باطنی ہوں یا ظاہری ہوں کہ مختلف صورتوں میں مختلف احکام ہوں گے، مثلاً: بہت سے گناہ وہ ہیں جن سے آدمی کا واسطہ ہی نہیں پڑتا، مثلاً کسی کے والدین نہیں ہیں، تو والدین سے متعلق اکثر شرعی احکامات سیکھنا ضروری نہیں، اسی طرح کسی پر حج فرض نہیں، تو اس پر حج کے احکام سیکھنا ضروری نہیں اور حج کے دوران ہونے والے گناہوں کی معلومات حاصل کرنا بھی ضروری نہیں۔ اسی طرح کوئی آدمی شادی شدہ نہیں تو بیوی بچوں سے متعلق احکام سیکھنا ضروی نہیں۔

علاوہ ازیں کئی گناہ واضح ہوتے ہیں، جو سب کو معلوم ہی ہیں، جیسے چوری، ظلم، ڈکیتی، یہ وہ گناہ ہیں، جن کا سب کو علم ہوتا ہے تو ان کا بطورِ خاص علم سیکھنا ضروری نہیں سوائے اس کے کہ بعض چیزوں میں مزید کچھ ایسی تفصیل ہو سکتی ہے جس سے آدمی غافل ہو کر اس کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جیسے چوری کو سب ناجائز و گناہ جانتے ہیں، لیکن مسجد میں جب اپنی چپل چوری ہو جائے، تو اس سے ملتی جلتی وہاں نظر آنے پر آدمی قیاس کرلیتا ہے کہ چور میری لے گیا اور یہ چھوڑ گیا، چوری کی فقہی تعریف تو یہاں پوری نہیں اترتی، لیکن بہر حال یہ گناہ ہے اور ایک اعتبار سے چوری ہے۔ یونہی مکے مدینے میں چپل تبدیل کر کے لانا بھی جائز نہیں۔

ایک اور مثال یتیم کا مال کھانے کی ہے کہ یہ حرام ہے اور اس کا علم سب کو ہے، مگر کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے یتیم بچوں کے مالِ وراثت سے سوئم وغیرہ کی نیاز کا کھانا کھلا دیا جاتا ہے۔ اب یہ سوئم کا ختم، چہلم کا ختم ایک نفلی صدقہ ہے اور فی نفسہ سوئم و چہلم جائز ہے، ثواب کا کام ہے، لیکن یتیم کے مال سے کرنا ناجائز و گناہ ہے اور اس کھانے کو، کھانے کی خود یتیم بھی اجازت نہیں

دے سکتا، کیونکہ وہ نابالغ ہے اور نابالغ ایسی اجازت نہیں دے سکتا۔ اب جو شخص بھی اس سوئم وغیرہ سے کھائے گا، وہ یتیم کا مال کھانے کے گناہ کا مرتکب ہوگا، لیکن اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی ہے، اس مسئلے میں یہ عنوان تو معلوم ہوتا ہے کہ "**یتیم کا مال کھانا حرام ہے**" لیکن اس کی تفصیلات معلوم نہیں ہوتیں۔

اس کے علاوہ بہت سے گناہ وہ ہیں جن کی تفصیلات کے بغیر آدمی ان سے بچ ہی نہیں سکتا، جیسے کاروبار میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں، جن کا گناہ ہونا ہر شخص واضح طور پر جانتا ہے، جیسے دھوکا دینا، جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، ملاوٹ کرنا یہ سب ناجائز ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کے علاوہ بھی شریعت کے بہت سارے احکام ہیں جنہیں ”عُقُودِ فاسِدہ“ کہا جاتا ہے یعنی ایسے ایگریمنٹ (معاہدے) جن میں شرعی اعتبار سے کوئی فساد پیدا ہو جائے، وہ تفصیلات سب کو معلوم نہیں ہوتیں، لہذا تاجر پر تجارت سے متعلق مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔ اگر نہیں سیکھے گا، تو نہ سیکھنے کا بھی گناہ ہوگا اور پھر لاعلمی کی وجہ سے دیگر کئی گناہوں کا مرتکب ہوگا۔

گناہوں کی ایک قسم ”باطنی گناہ“ بھی ہیں۔ باطنی گناہوں میں نوے فیصد وہ صورتیں ہیں جن کا اِرْتِکاب ”ریاکاری“ اور ”حُبِّ جاہ“ کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن ان کی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مرتکب کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں ریاکاری یا حُبِّ جاہ کے گناہ میں مبتلا ہو رہا ہوں۔

باطنی گناہوں کے متعلق معلومات نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی ریاکاری کرکے بولتا ہے، میں ریاکاری تھوڑی کرتا ہوں یا لوگوں کو کمتر سمجھ کر اور خود کو بڑا سمجھ کر کہتا ہے کہ بھئی! میں تکبر تھوڑی کر رہا ہوں، وہ ہیں ہی میرے نوکر چاکر، میرے ملازم، وہ ہیں ہی ایسے۔ اب یہاں مُتکبر شخص دوسروں کو حقیر سمجھ رہا ہوتا ہے، لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ میں تکبر کر رہا ہوں، اور یوں میں گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں، اب ایسی چیزوں کے اعتبار سے گناہوں کی معلومات کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ دینی کتابوں کا مطالعہ کریں، علمائے اہلسنت کَثَّرَھُمُ اللہ تَعَالٰی سے گناہوں کے

بارے میں سیکھیں اور جو ذرائعِ علم حاصل کرنے کے ہیں، ان سے علم سیکھیں۔

گناہوں کی معلومات حاصل کرنا

سوال: گناہوں کی سرسری معلومات حاصل کرنے کے بجائے تفصیلی معلومات کیسے حاصل کریں؟

جواب: بہت سے گناہوں کے متعلق واقعی تفصیلی علم ہی ضروری ہوتا ہے، ورنہ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں نیکی کرنے کے گمان میں کرلیا جاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال: حکم شریعت (یعنی سنت یہ) ہے کہ مرد ٹخنے کھلے رکھے، اس حکم (سنت) پر عمل کرنے کے لیے بعض لوگ نماز پڑھنے کے لیے شلوار یا پینٹ وغیرہ کو فولڈ کرلیتے ہیں، جو گناہ ہے کہ نماز میں ٹخنے چُھپے رہ جائیں، تو مکروہ تنزیہی ہے، جو گناہ نہیں، لیکن نماز میں شلوار موڑنا، فولڈ کرنا مکروہ تحریمی ہے، جو گناہ ہے۔

دوسری مثال: بچوں کو مسجد میں لے آنا اچھا کام ہے، مگر اتنے چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانا، جائز نہیں کہ جو مسجد میں پیشاب و پاخانہ کردیں یا پھر شور کریں اور معلوم ہو کہ یہ بچے شور کریں گے، تو ایسے بچوں کو مسجد میں لانا گناہ ہے۔ اب دیکھیں کہ لانے والا اپنی طرف سے بڑے جذبے سے نیکی سمجھ کر بچوں کو لایا، لیکن علم کی کمی کے سبب گناہ کا ارتکاب کیا۔

معلوم ہوا کہ علم دین سیکھنا ضروری ہے اور علم دین سیکھے بغیر گزارہ نہیں اور عمل کی بنیاد ہی علم ہے، لہٰذا علم سیکھیں تاکہ یہ نہ ہو کہ اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر گناہ ہی کرتے رہیں۔

گناہ پر تعاون کرنا

سوال: گناہ پر تعاون کرنا کیسا؟

جواب: گناہ پر تعاون کی ممانعت کا حکم قرآن پاک میں بالکل واضح طور پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾ (24)

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔

قرآن پاک کی نصِ قطعی موجود ہے کہ گناہ پر دوسرے کی مدد کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ گناہ سے روکا جائے۔ اس حوالے سے ایک بڑی دلچسپ حدیث مبارک ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا“ یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے عرض کیا: یارسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مظلوم کی تو ہم مدد کریں، لیکن کیا ظالم کی بھی مدد کریں؟ فرمایا: ہاں! اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ تم اسے ظلم سے روک دو۔“(25) یہ ظالم کی مدد یوں ہے کہ اس کی آخرت کے لیے مفید ہے۔ تو گنہگار کی مدد یہ ہے کہ اسے گناہ سے روک دیا جائے۔

اس سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے، جو دوستی یاری نبھانے کے چکر میں ایک دوسرے کی گناہ میں معاونت کرتے ہیں اور اپنے طور پر سمجھتے ہیں کہ دوستی کا حق ادا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کے ظاہری باطنی امراض اور گناہوں سے محفوظ رکھے، ہمیں نیک بنائے اور نیکیوں پر استقامت عطا فرمائے۔

آمین بِجاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

---

[24] ... پارہ 6، المائدہ: 2

[25] ... بخاری، کتاب المظالم، باب اعن اخاك ظالما او مظلوما، 3/128، حدیث: 2443

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فرمانِ اعلیٰ حضرت

امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: ”مسائلِ حلال وحرام کہ ہر فرد بشر اِن کا محتاج ہے اور مسائلِ علمِ قلب یعنی فرائض قَلْبِیہ مثل تواضُع واِخلاص وتوکل وغیرہا اور ان کے طُرقِ تحصیل اور مُحَرَّماتِ باطنیہ (یعنی باطنی ممنوعات مثلاً:) تکبر وریا و عُجب (غُرور) وحسد وغیرہا اور اُن کے مُعالجات (علاج کے ذرائع) کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائِض سے ہے۔ جس طرح بے نماز فاسق وفاجر و مُرتکب کبائِر ہے، یونہی بِعَیْنِہٖ رِیاء سے نماز پڑھنے والا، اِنہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 624، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net